

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشادات

پچھلی کئی اشاعتوں سے ان صفحات میں مسلسل اس امر کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ نئے دستور میں مملکت پاکستان کے لیے اسلامی نقشہ تعمیر طے ہو جانے کے بعد اب اصل تعمیر کا کام شروع ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں معاشرے کے مختلف عناصر پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں اور ان کے کرنے کے جو کام ہیں وہ تفصیل کے ساتھ بیان کیے جا چکے ہیں۔ اب ہمیں خاص طور پر ان لوگوں کو خطاب کرنا ہے جو حقیقت سنجیدگی کے ساتھ چاہتے ہیں کہ یہ کام ہو۔

انہیں سب سے پہلے جو بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں اسلامی نظام کے لیے خواہش کی کوئی کمی نہیں ہے، اصل کمی آمادگی کی ہے، اور اس سے بھی زیادہ کمی استعداد کی۔ اگر آپ صدا لگائیں کہ کون یہاں اسلامی نظام چاہتا ہے تو ایک عنصر قلیل کو چھوڑ کر ساری قوم پکا رائٹھی کہ ہم سب اس کے طالب ہیں۔ لیکن اگر آپ پوچھیں کہ کون اس کے لیے عملاً کچھ کرنے پر آمادہ ہے تو ساری بھیڑ چھٹ جائے گی اور مشکل سو میں سے پانچ دس آدمی آگے بڑھ کر اس کی حامی بھر جائیں گے پھر ان آمادگی ظاہر کرنے والوں کا بھی اگر آپ استعداد کے لحاظ سے جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ بیشتر لوگ ان کم سے کم بنیادی اوصاف سے بھی خالی ہیں جن کا ہونا اس کام کے لیے ناگزیر ہے۔

دوسری بات جس پر نگاہ رکھنے بغیر وہ اپنی ذمہ داری کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے، یہ ہے کہ ہماری قوم کے اندر جتنے با اثر عناصر پائے جاتے ہیں وہ زیادہ تر بگاڑ کے لیے کام کر رہے ہیں، اور جو بگاڑنے میں لگے ہوئے نہیں ہیں وہ سنوارنے کی فکر سے بھی فارغ ہیں۔ اصلاح و تعمیر کے لیے کوشش کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور ان کی قوت کا تناسب بگاڑ کی قوتوں کے مقابلے میں اتنے نمک بھی نہیں ہے۔ اس لیے کسی کو شک ہو وہ ذرا سارے ملک پر

ایک نگاہ ڈال کر خود دیکھ لے کہ یہاں سیاسی لیڈر، حکومت کے کارپرداز اور کارکن، زمیندار، کارخانہ دار، تجارتار، علماء، اخبار نویس، اور اجتماعی زندگی پر اثر ڈالنے والے دوسرے لوگ زیادہ تر بنانے میں لگے ہوئے ہیں یا لگاڑنے میں۔ اور ہمارے متوسط تعلیم یافتہ طبقے کی عظیم اکثریت کوئی تعمیری فکر و سعی بھی رکھتی ہے یا بس اپنی ذات میں مگن ہے۔

تیسری بات جس سے ان کو غافل نہ رہنا چاہیے یہ ہے کہ موجودہ دور میں اجتماعی زندگی کو بنانے اور لگاڑنے والی سب سے بڑی طاقت حکومت ہے، اور جس جگہ جمہوری نظام رائج ہو وہاں حکومت کے صحیح یا غلط ہونے کا سارا انحصار اس امر پر ہے کہ عوام الناس صحیح آدمیوں کے ہاتھ میں اقتدار سونپنے میں یا غلط آدمیوں کے ہاتھ میں۔ اگر وہ غلط آدمیوں کا انتخاب کر کے ملک کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے دیں تو تعلیم، قانون، نشر و اشاعت، نظم و نسق، اور تعلیم و رزق کی غلط روش بحیثیت مجموعی پوری قومی زندگی کو لگاڑنے کے لیے اتنے بڑے پیمانے پر اور اتنی مہم گیر طاقت کے ساتھ کام کرے گا کہ منتشر افراد اور اداروں کی اصلاحی کوششیں اس کے مقابلے میں بے بس ہو کر رہ جائیں گی۔ بخلاف اس کے اگر ان کا انتخاب صحیح ہو تو ملک کے تمام ذرائع و وسائل اصلاح کی راہ میں صرف ہونے لگیں گے اور لگاڑ کی طاقتیں عاجز ہو کر رہ جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ لگاڑ کے لیے کام کرنے والے تمام لوگ کسی دوسرے کام پر اپنی طاقت صرف نہیں کرتے جتنی عوام کو بہکانے پر صرف کرتے ہیں، تاکہ وہ کبھی صحیح انتخاب کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔ وہ اس میں اپنی موت دیکھتے ہیں۔ ان سب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ محبوب اور فریب کے طوفان اٹھا کر، طرح طرح کے مذہبی فتنے کھڑے کر کے، قوم قوم کے جذباتی نعرے لگا کر عام لوگوں کے ذہن کو خوب پرانڈہ کر دیں اور پھر دباؤ سے، لالچ سے، اور بے غریزہ شریفانہ ہتھکنڈے سے فاسدین و مفسدین کو کامیاب کر انیں۔ یہ بدی کا چکر جب تک چلتا رہے گا اصلاح کی کوئی سعی کارگر نہ ہو سکے گی۔

بہترین حقیقتیں مل جاتی ہیں کہ ایک ایسا جہانک منظر پیش کرتی ہیں کہ ایک موقع تو اسے دیکھ کر

آدمی کا دل بیٹھ جاتا ہے اور وہ مایوسی کے، ہجوم میں سوچنے لگتا ہے کہ یہاں کچھ بنائے بن بھی سکے گا یا نہیں۔ لیکن ان کے مقابلے میں چند حقیقتیں اور بھی ہیں جنہیں نگاہ میں رکھنے سے یاں بادل چھپنے لگتے ہیں اور امید کی شعاعیں چمکی شروع ہو جاتی ہیں۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ صرف فاسد عناصر ہی سے بھرا ہوا نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ صالح عناصر بھی موجود ہیں۔ ان کے اندر اصلاح و تعمیر کی صرف خواہش ہی نہیں بلکہ آمادگی و استعداد بھی پائی جاتی ہے، اور اگر اس میں کچھ کمی ہے تو وہ تھوڑی سی توجہ اور سعی سے پیدا کی جاسکتی ہے۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم بحیثیت مجموعی شریک نہیں ہے۔ بلے علمی اور نادانی کی وجہ سے وہ دھوکا کھا سکتی ہے اور کھاتی رہی ہے، لیکن وہ اس لگاؤ پر راضی نہیں ہے جو دھوکا دینے والوں کے ہاتھوں رونما ہوتا ہے۔ اگر حکمت کے ساتھ منظم اور پیہم سعی کی جائے تو یہاں کا رائے عام کو اصلاح پسند طاقتوں کا مؤید بنانے میں بالآخر کامیابی ہو کر رہے گی۔ مایوسی صرف اس صورت میں بجا ہو سکتی تھی جب کہ قوم کا سواد اعظم خود ان خرابیوں کا طالب ہوتا جو معاشرے میں مفسد طاقتوں کے غلبے سے برپا ہو رہی ہیں۔

تیسری حقیقت یہ ہے کہ لگاؤ کے لیے کام کرنے والوں کو سب کچھ میسر ہے مگر دو چیزیں میسر نہیں ہیں۔ ایک سیوت و کردار کی طاقت۔ دوسرے اتحاد و اتفاق۔ جہاں تک ان کی سیرت و کردار کا تعلق ہے، اس کی حالت شاید دنیا کے تمام مفسد طبقوں سے بدتر ہے۔ اس وجہ سے قوم میں ان کا اخلاقی اثر بالکل ختم ہو چکا ہے۔ بلکہ ان کے خلاف عام نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ ان کا انحصار اب صرف مادی وسائل اور سازشی جوڑ توڑ پر رہ گیا ہے، اور یہ ہتھیار زیادہ دیر تک نہیں چل سکتے۔ رہی دوسری چیز تو حقیقت میں یہ اشد کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کے دلوں میں اتفاق ڈال کر انہیں آپس میں لڑا دیا ہے۔ خیر کی راہ اب تک بھی اسی تنگ گاف سے نکلی ہے، اور اشد کا یہ تنگ گاف جتنا وسیع ہوتا جائے گا خیر کا راستہ بھی کشادہ ہوتا چلا جائے گا۔ خدا خواستہ اگر یہ لوگ متحد رہتے تو حلق جلدی نہیں سکتی تھی۔

آخری اور سب سے اہم حقیقت یہ ہے کہ اقامتِ دین کا کام اللہ تعالیٰ کا اپنا کام ہے اور اس کے لیے جو لوگ بھی کوشش کریں ان کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اخلاص اور صبر کے ساتھ کام کریں اور حرکتِ عمل سے غافل نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کی تعداد خواہ کتنی ہی کم ہو اور ان کے مسائل چاہے کتنے ہی قلیل ہوں، آخر کار اللہ کی تائید ہر کسر پوری کر دیتی ہے۔

مالوس کن ظاہر کے نیچے امید کا یہ سرو سامان ہے جو ڈھارس بندھاتا ہے کہ پاکستان کو صحیح معنوں میں دارالاسلام بنانے کے لیے کام کرنا محض ممکن ہی نہیں ہے بلکہ اس کا فائز الحرام ہونا بھی متوقع ہے۔ البتہ ضرورت جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ بھی اس قوم میں اصلاح و تعمیر کی حقیقتی خواہش رکھنے والے موجود ہیں وہ آرزوؤں اور تمناؤں کی منزل سے نکل کر کچھ کرنے کے لیے آگے بڑھیں اور ان طریقوں سے کام کریں جو سنتِ اللہ کے مطابق کامیابی کے لیے مقرر ہیں۔ سنتِ اللہ یہ نہیں ہے کہ آپ بس خرابیوں پر بیٹھے تنقیدیں کرتے رہیں اور وہ محض آپ کی باتوں سے دُور ہو جائیں۔ سنتِ اللہ یہ بھی نہیں ہے کہ آپ اسلامی نظام کے لیے صرف دعائیں مانگا کریں اور آسمان سے فرشتے آکر آپ کے لیے اسے قائم کر دیں۔ جنگل کا ایک کانٹا اور راستے کا ایک روڑا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا جب تک آپ ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں، پھر بھلا معاشرے میں مندوں کی رچی اور بسی ہوئی خرابیاں محض زبان کے بھاگ اڑانے سے کیسے رفع ہو جائیں گی۔ گہیوں کا ایک دانہ بھی کسان کی عرق ریزی کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، پھر کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ معاشرے اور ریاست میں خیرات و حسنات کی کھیتی بس دعاؤں اور تمناؤں سے لہلہانے لگے گی۔ تنقیدیں کارگر ہوتی ہیں، مگر اس وقت جب کہ ان کی پشت پر کوئی سعی و عمل بھی ہو۔ دعائیں برآتی ہیں، مگر اس وقت جب کہ عالمِ اسباب میں ہم اپنے کرنے کا کام پورا کر دیں اور پھر اس کے بار آور ہونے کے لیے اللہ سے دعا مانگیں۔ فرشتے بلاشبہ اترتے ہیں مگر خود لڑنے کے لیے نہیں بلکہ اُن اہل حق کی مدد کے لیے اترتے ہیں جو خدا کی راہ میں جانیں نثار رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ براہِ راست اپنی نگوئی مداخلت سے کسی بگڑے ہوئے

انسانی نظام کو خود ٹھیک کر دیا ہو اور کسی فاسد معاشرے کو اپنی طرف سے صالح بنا ڈالا ہو جس معاشرے کے افراد اور گروہ لگاڑ کے کام میں لگے ہوئے ہوں اور بناؤ کی خواہش رکھنے والے بناؤ کے لیے عملاً کچھ نہ کریں، اُس کے لیے اللہ کی سنت یہی ہے کہ وہ اُس کو اُسی انجام کی طرف لے جاتا ہے جس کی طرف وہ خود دوڑ رہا ہے۔ اُس کی نظر کرم تو صرف اُس معاشرے کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس کے اندر برائی کے مقابلے میں بھلائی کو قبول کرنے کا رجحان موجود ہو اور برائی بھیلانے والوں کے مقابلے میں بھلائی قائم کرنے کے لیے ایک عنصر صالح عملاً کشمکش اور مجاہدہ کر رہا ہو۔ بلکہ اس کے ہاں کشمکش بھی، جو دین کے نام پر عرض لکد کو ب کی نوعیت رکھتی ہو پھل پونے کی مستحق نہیں ہوتی وہ منظم ہونی چاہیے۔ باقاعدہ ہونی چاہیے، صبر و استقلال کے ساتھ ہونی چاہیے حکمت و دانش اور قواعدِ فطرت کے مطابق ہونی چاہیے، اور سب سے زیادہ یہ کہ نیت کے لحاظ سے خالص اور اخلاق کے لحاظ سے سحری اور پاکیزہ ہونی چاہیے۔ ایک کمزوری بھی اگر کسی حکم اس میں رہ جائے تو خدا کا بے لاگ قانون ایسا ہے کہ وہ اُس کا نقصان سامنے لا کر رکھ دیتا ہے حتیٰ کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین رہنمائی میں صحابہ کرام جیسے صالح ترین لوگوں کی جو جماعت اعلیٰ کلمۃ الحق کے لیے انتہائی مخلصانہ جدوجہد کر رہی تھی اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے محمد اور حُنین میں بعض کمزوریوں کا نتیجہ دکھانے سے معاف نہیں رکھا۔ اس کے بعد کون یہ امید کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اس کی خاطر سنت اللہ میں بال برابر بھی ترمیم کر دی جائے گی۔

پس جو لوگ بھی عمل کے لیے کوئی آمادگی اپنے اندر رکھتے ہیں انہیں غلط توقعات اور بے جا امیدوں کو چھوڑ کر ٹھنڈے دل سے اس کام اور اس کے تقاضوں کو سمجھنا چاہیے، پھر خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ انہیں یہ کام کرنا ہے یا صرف لگاڑ پر نوحہ خوانی کرنے اور بناؤ کی آرزوئیں دل میں پالنے پر قناعت کرنی ہے۔ عمل کا فیصلہ جسے بھی کرنا ہو جوش میں آکر نہیں بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ وقتی جوش میں یہ طاقت تو ضرور ہے کہ آدمی اٹھنے اور بیٹھنے پر گولی کھا کر جان دے

لیکن اس میں یہ طاقت نہیں ہے کہ آدمی کو چار دن بھی کسی ایک برائی سے اجتناب یا ایک بھلائی کے التزام پر قائم رکھ سکے، کچا کہ اس کے بل بوتے پر کوئی شخص عمر بھر ایک مقصد کے پیچھے لگا تا غنت کرتا چلا جائے۔ تعمیری کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کا سوچا سمجھا فیصلہ یہ ہو کہ انہیں اپنی عمر عروجی اسی کام میں کھپانی ہے۔

آما دی عمل کے بعد لوگ بالعموم لائحہ عمل کے سوال پر آجاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اچھا، ہم نے کام کا فیصلہ کر لیا، اب بتاؤ کہ وہ پروگرام کیا ہے جس پر ہم کام کریں۔ لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ فیصلہ عمل اور لائحہ عمل کے درمیان مدار کار خود عامل کی ذات ہے جس کو نظر انداز کر کے کام اور پروگرام کی باتیں شروع کر دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ خیال کرنا غلط ہے کہ ہر پروگرام کو ہر طرح کے آدمی عمل میں لاسکتے ہیں اور یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ عمل کے لیے صرف ارادہ عمل کافی ہے جس کے بعد میں ایک لائحہ عمل ہی کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر ہمارے ہاں بڑے بڑے کام شروع ہوئے اور آخر کار نتیجہ مطلوب تک پہنچنے میں ناکام ہو کر رہ گئے۔ اصل چیز حکیم اور پروگرام نہیں بلکہ اس کے چلانے والے لوگ ہیں۔ ان کے اوصاف — ایک ایک فرد کے ذاتی اوصاف بھی اور سب کے اجتماعی اوصاف بھی — وہ اصل طاقت ہیں جو اس امر کا فیصلہ کرتے ہیں کہ اس حکیم اور پروگرام کو کامیاب ہونا ہے یا ناکام۔ ان کی ہر کمزوری نتائج پر اثر انداز ہوتی ہے اور ہر خوبی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ وہ عمدہ اوصاف کے مالک ہوں تو ایک غلط حکیم اور برے لائحہ عمل کو بھی ایک دفعہ تو اس طرح چلا کر دکھا دیتے ہیں کہ دنیا دنگ رہ جاتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر ان کی صلاحیت ناقص ہو تو بہتر سے بہتر کام بھی بگڑ جاتا ہے، حتیٰ کہ دنیا کو خود اس کام کی صحت میں بھی شک ہو جاتا ہے جسے عمل میں لانے کے لیے ماہل لوگ میسر آئے ہوں۔ لہذا ہم کو تعمیر و اصلاح کی عملی تجاویز پر غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کام کے لیے جو لوگ آگے بڑھیں انہیں کن صلاحیتوں سے آراستہ، کن اوصاف سے منصف، اور کن عيوب سے پاک ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ اس طرح کے آدمیوں کی

تیاری کے ذرائع کیا ہیں۔

آئندہ صحبتوں میں ہم اس مضمون کو حسب ذیل ترتیب کے ساتھ بیان کریں گے:

- (۱) وہ اوصاف جو اس مقصد کے لیے کام کرنے والے ہر فرد میں بذات خود ہونے چاہئیں۔
- (۲) وہ اوصاف جو ان کے اندر من حیث الجماعت ہونے چاہئیں۔
- (۳) وہ اوصاف جو دعوت و تبلیغ اور اصلاح خلق میں کامیاب ہونے کے لیے درکار ہیں۔
- (۴) وہ بڑی بڑی برائیاں جن سے ان کو فرداً فرداً اور من حیث الجماعت پاک ہونا چاہیے۔
- (۵) وہ تدابیر جن سے مطلوبہ اوصاف کے نشوونما اور نامحود اوصاف سے افراد اور جماعت کے تزکیے میں مدد ملی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد ہم تفصیل کے ساتھ یہ بتائیں گے کہ معاشرے کو اسلامی نظام کے لیے تیار کرنے کی عملی تدبیریں کیا ہیں اور ان کو عمل میں لانے کے لیے ان لوگوں کو کیا طریقہ اختیار کرنے چاہئیں۔

مگر اس ترتیب سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اسی ترتیب کے ساتھ ان لوگوں کو پہلے ایک مدت دراز اپنی تعمیر ذات میں صرف کرنی ہوگی، پھر کیس تعمیر معاشرہ کی نوبت آئے گی۔ دراصل یہ دونوں کام ایک ساتھ کرنے کے ہیں، اور جب بھی یہ ہوتے ہیں ایک ہی ساتھ ہوتے ہیں ان کا تقدم و تاخر زمانی نہیں بلکہ اعتباری ہے۔ کام سے پہلے کام کرنے والوں کے اوصاف اور ان کی تیاری کے ذرائع بیان کرنے کا معیار یہ ہے کہ جو بھی اس کام کے لیے آگے بڑھے وہ اس مرتبہ کو اپنے سامنے رکھ لے۔ یہ سمجھ کر آئے کہ اسے یہ کچھ بننا ہے اور اس تیاری میں ان ذرائع سے مدد لینی ہے۔ مگر کام اسے اول روز ہی سے شروع کر دینا ہوگا اور مرد کار بننے کی تیاری ساتھ ساتھ کرنی ہوگی۔ کام خود اس تیاری کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ کام کے بغیر محض تیاری کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ جس طرح پانی میں انڑے بغیر محض خشکی میں ہاتھ پاؤں ماسقے رہنے سے کوئی شخص تیراک نہیں بن سکتا اسی طرح مردان کار میں اتارے بغیر کوئی تیاری بھی آدمی کو مرد کار نہیں بنا سکتی۔